مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب صدر دینی تعلیمی کونسل

کی

ایک اہم تقریر

جو

انجمن تعلیمات دین ضلع لکھنؤ کے

ضلع دینی تعلیمی کنونشن

منعقدہ ۱۹ر مارچ سنہ ۱۹۷۲ء میں کی گئی

شائع کردہ

دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش لکھنؤ

۹۹- گوئن روڈ، لکھنؤ

ایک اہم تقریر

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شائع کردہ

دینی تعلیمی کونسل اترپردیش لکھنؤ

۹۹- گوئن روڈ، لکھنؤ

ناشر ... ... دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش
۹۹۔ گوئن روڈ، لکھنؤ

طباعت ... ... نامی پریس لکھنؤ

کتابت ... ... سید مظفر حسن

تعداد ... ... ایک ہزار

ماہ و سنہ ... ... مئی سنہ ۱۹۷۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ مسنونہ کے بعد:۔

دینی تعلیمی تحریک اور اس کی ضرورت و اہمیت

حضرات! صوبہ میں دینی تعلیمی کونسل کے نام سے، اور اضلاع میں انجمن تعلیمات دین کے نام سے دینی تعلیمی تحریک جاری ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کو اسلامی دینی تعلیم سے روشناس کرانا، اس کی اہمیت کو ذہن نشین کرانا، اور اس کا انتظام کرنا ہے، اس تحریک میں صوبے کے بہت سے ذمہ دار، صاحبِ فکر، اور سنجیدہ مسلمان شریک ہیں، اور آج ہم آپ بھی اسی مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

بہت سے دلوں، اور دماغوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر اسکی ضرورت کیا ہے؟۔ یہ سوال بجا ہے، ملک میں کوئی تعلیمی تحریک چلتی ہے، یا نصاب میں، یا نظام تعلیم میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، حکومت عوام کے فائدے کے

لیے، اور ملک کی تعلیمی ترقی کے لیے کوئی نئی تعلیمی پالیسی اپناتی ہے، تو اس سے مسلمانوں میں اضطراب کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اور وہ اس سے کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ بہت سے اہلِ علم اور صاحبِ فکر حضرات نے اس کو مسئلہ کیوں بنا لیا ہے؟ مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کی پوری آزادی ہے، حکومت ان میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالتی، اور حکومت کی مصلحت بھی نہیں کہ مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں مداخلت کی جائے، اور ان میں بے ضرورت انتشار پیدا کیا جائے، مسلمان حج کو جاتے ہیں، اور بہت سے ممالک کے مقابلے میں جہاں مسلمان حاکمانہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں، ہندوستان سے حجاج زیادہ تعداد میں جاتے ہیں، اور یہ تعداد روزافزوں ہے، مساجد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، نمازیں آزادی کے ساتھ ادا ہوتی ہیں، اور نمازیوں کی بہت بڑی تعداد ہوتی ہے، رمضان میں روزوں کی بہار، اور مساجد کی رونق دیکھنے کے قابل ہوتی ہے، یہاں حفاظ ہر سال بڑی تعداد میں تیار ہوتے ہیں، اس کی مثال دوسرے ملکوں میں بھی ملنی مشکل ہے، یہاں عظیم الشان عربی مدارس ہیں، جن میں دوسرے ممالک کے طلبہ بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہی حال زکوٰۃ کا ہے، کہ اس کے ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، ان تمام آزادیوں اور سہولتوں کے باوجود تعلیم کے مسئلے کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟ اس کو موت و حیات کا ایک مسئلہ کیوں بنا لیا گیا ہے؟ بہت سے ذہنوں میں یہ بار بار اصرار کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوتا ہے، اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر ہماری ان کوششوں کا اصل محرک، اور اس کی بنیاد سمجھ میں نہیں آتی۔

اسلام ایک شعوری اور ارادی مذہب ہے

اسلام ایک شعوری و ارادی مذہب ہے، یہ نسلی یا ملکی مذہب نہیں، کہ کوئی پٹھانوں کے یہاں پیدا ہو، سادات یا شیوخ کے یہاں پیدا ہو، تو آٹومیٹک طریقہ سے مسلمان ہوگا، بلکہ اس کے لیے شعور و ارادہ، اور فیصلہ کی ضرورت ہے، کہ وہ اسلام کو بحیثیت دین کے قبول کرتا ہے یا نہیں؟ اسلام میں اور اس کے بہت سے احکام و مسائل میں عاقل، بالغ ہونے کی شرط آئی ہے، اس کا راز یہی ہے کہ ایک بچہ اور بالغ میں فرق ہے، بالغ ہونے کے بعد وہ مکلّف ہو گیا، یہ اصطلاح خود بتلاتی ہے کہ اسلام ایک شعوری مذہب ہے، اسی طرح اسلام کے احکام کی ادائی میں نیت شرط ہے، کسی مذہبی نظام میں نیت کو یہ اہمیّت نہیں دی گئی، یہاں تک کہ روزہ، نماز میں بھی نیت ضروری ہے، حدیث میں آیا ہے "من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه" (جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے، اور اس کے اجر و ثواب کے لالچ میں تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو گئے) بظاہر روزہ، روزہ میں فرق نہیں، دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کو روزہ کہہ سکتے ہیں، بغیر نیت کے نماز بھی مشینی انداز میں پڑھی جا سکتی ہے، لیکن اجر و ثواب کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا، کہ نیت ہو، اللہ کو حاضر و ناظر سمجھے، اور شوق و طمع ہو، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا پودا نیت کے بغیر پنپ ہی نہیں سکتا، زمین اسے قبول ہی نہیں کر سکتی، اور اگر لگ بھی جائے تو پھول پھل نہیں لا سکتا۔

اسلام میں علم کا مرتبہ

اسی طرح اسلام اور علم لازم و ملزوم ہیں، علم کے بغیر

اسلام، اسلام ہی نہیں، ان دونوں کی رفاقت ایسی ہے، کہ اگر علم کے سوتے خشک ہو جائیں تو اسلام اپنی طبعی موت مر جائے گا، یہی وجہ ہے کہ جو طاقتیں اسلام کو گوارا نہیں کرتیں، یا اس کو ختم کرنا چاہتی ہیں، وہ اسلامی تعلیم پر ضرب لگاتی ہیں کہ اس کے سوتے خشک ہو جائیں، میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کے کسی مذہب میں بھی علم کا مرتبہ اتنا بلند کیا گیا ہو، اُس کو اتنی عزت دی گئی ہو جتنی اسلام میں دی گئی، نبوتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم) میں وحی کا آغاز ہی علم سے ہوتا ہے، اس اہم ترین وقت اور اس مقدّس ترین ساعت میں جب صدیوں کے بعد زمین و آسمان کا اتصال ہو رہا ہے، جب دنیا کی قسمت بدل رہی ہے، جب گویا کہ دنیا نیا جنم لے رہی ہے، اس بے نظیر، مبارک اور مسعود ساعت میں سب سے پہلا حکم ہوتا ہے، اور ایک اُمّی سے کہا جاتا ہے، "إقرأ" پڑھو، اور آپ کے ذریعہ پوری اُمت کو حکم دیا جا رہا ہے، زمین و آسمان کا مدت کے انقطاع کے بعد پہلا تعلق وحی کے ذریعہ قائم ہوتا ہے، اس دین کا انسانیت سے پہلا تعارف علم ہی کے ذریعہ ہوتا ہے، اس موقع پر یہ نہیں کہا جاتا سجدہ ریز ہو جاؤ، یہ نہیں کہا جاتا کہ خاموش رہو، مراقبہ کرو، یہ نہیں کہا جاتا کہ ذکر کرو، یہ نہیں کہا جاتا کہ زمیں بوس ہو جاؤ، بلکہ حکم ہوتا ہے تو پڑھنے کا۔

علم اور قلم کی جہانگیری اور جہانبانی

اس اہم ترین اور مبارک و مسعود ساعت میں خشک لکڑی کے [illegible] حقیر ٹکڑے کو بھی جس کو قلم کہا جاتا ہے، فراموش نہیں کیا جاتا، لکڑی کے اس ٹکڑے نے جتنے انقلابات برپا کیے ہیں کہ انبیائے کرام کے علاوہ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، پوری کائنات جتنا اس کی شرمندۂ احسان

ہے، شاید کسی دوسری چیز کی نہیں، انسانیت اور ساری دنیا کو جس پیغام کے ذریعہ نئی زندگی مل رہی تھی، آبِ حیات مل رہا تھا، اس میں انسان کو "إقرأ" کا حکم دیا گیا، اور خدا کی صفت بیان کی گئی، "الذی علّم بالقلم" (جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی) اللہ کی صفات بہت سی ہیں، سارے اسماءِ حسنیٰ اللہ ہی کے ہیں، اس کی قدرت اور رحمت کے بے شمار مظاہر ہیں، لیکن جو صفت یہاں بیان کی گئی ہے وہ "علّم بالقلم" ہے۔

اس سے صاف اشارہ تھا کہ اب جو دور شروع ہو رہا ہے، وہ تعلیم اور خواندگی کا دور ہوگا، تصنیف و تالیف کا دور ہوگا، اس دور میں علم کا رشتہ قرأت کے ساتھ قائم ہوگا، اس میں علم اور قلم کی جہانگیری و جہانبانی ہوگی، یہ نہیں ہو سکتا کہ علم رہے، خواندگی اور قلم نہ ہو۔

دنیا میں قلم کو یہ سرافرازی کس نے عطا کی ہوگی، جو نبوتِ محمدی، اور اسلام نے عطا کی، اب علوم و انکشافات بھی اس کے محتاج ہیں، ممالک اور حکومتیں بھی اس کی ضرورت مند، اور اس کی دست نگر، مذاہب اور دعوتیں اور تحریکیں بھی اس کا سہارا لینے کے لیے مجبور، یہ مذہب (اسلام) بھی قرأت و قلم کے تعاون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، یہ سمجھنا غلط ہے کہ مسلمانوں کو نماز، روزہ کی آزادی ہے، ان کی مساجد اور ان کے مدارس میں فرائض کی ادائیگی پر کوئی قدغن نہیں، تو کوئی بھی نظامِ تعلیم رائج ہو، کسی طرح کا بھی نصاب تیار کیا جائے، انھیں کوئی فکر نہ ہونی چاہیے۔

اسلام کے لیے جہالت خطرہ اور علم طاقت و حصار

دُنیا کے بعض مذاہب کے نمائندے علم کی نشر و اشاعت اور ترقی سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ

وہ جہالت کے سایہ میں زیادہ محفوظ اور بے خطر زندگی گزار سکتے ہیں، جتنا علم پھیلے گا، اور لوگ جس قدر غور کرنے کے عادی ہوں گے، اور حقائق سے آگاہ، اتنا ہی ان کو اپنے مذاہب اور عقاید کے بارے میں شبہات پیدا ہوں گے، اور ان کی گرفت ڈھیلی ہوگی، لیکن اسلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے، اس کے لیے جہالت خطرہ ہے اور علم طاقت و حصار، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے ماقبل اسلام دور کو جس میں ہزاروں اخلاقی خرابیاں تھیں، کسی اور نام سے یاد کرنے کے بجائے "جاہلیت" کے نام سے یاد کیا ہے، اور قرآن میں، حدیث میں، تاریخ میں، یہی اس کا مشہور نام ہے، گویا اس کی سب سے بڑی خرابی، اور اس کی تمام کمزوریوں کا سرچشمہ جہالت تھی، قرآن شریف تفکر و تدبر کی آیتوں سے بھرا ہوا ہے، "افلا تعقلون" "افلا تبصرون" "یتفکرون فی خلق السموٰت والارض" ہر جگہ عقل و دماغ سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے، اور عقل و دماغ کو معطل کرنے، اور آنکھ کان بند کر لینے کو کہیں سراہا نہیں گیا ہے، بلکہ ایک جگہ فرمایا:- "والذین اذا ذکروا بآیات ربہم لم یخروا علیہا صماً وعمیاناً" (سورۂ الفرقان آیت ۷۳) (اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)) بعض مذاہب کا فلسفہ ہے کہ جتنا آدمی علم سے محروم ہوگا خدا سے زیادہ ڈرے گا، اور اسلام کا فلسفہ ہے کہ جتنا آدمی حقائق سے آگاہ، آفاق و انفس کی وسعت سے آشنا، اور قدرت کی نشانیوں سے باخبر ہوگا، اور زیور علم سے آراستہ، اسی قدر اس کے اندر خوفِ الٰہی، اور خدا کی عظمت و کبریائی کا احساس ہوگا، بلکہ ایک جگہ خشیت الٰہی کو اہلِ علم کی خصوصیت اور اس کو علم ہی پر منحصر بتایا گیا ہے،

"انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ" (سورہ فاطر آیت ۲۸) (خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔)

اسلام ایک زندہ مذہب ہے جو متاثر بھی ہوتا ہے اور مؤثر بھی

بعض لوگ مسلمانوں کی دینی کمزوری کی ذمہ داری علم پر ڈالتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ علم کی اتنی فراوانی نہ ہوتی تو مسلمانوں میں مذہبی جذبہ زیادہ ہوتا، یہ صحیح اسلامی فکر نہیں، اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا، عالموں کی فضیلت میں کثرت سے قرآن کی آیات، اور حدیثیں آئی ہیں، آپ نے علماء کی زبان سے سنا ہوگا کہ ایک عالم ہزار عابدوں سے بہتر ہے، اور شیطان ایک عالم سے جتنا ڈرتا ہے، ہزار عابدوں سے نہیں، عالم کا سونا اور عابد کا جاگنا برابر ہے، وغیرہ وغیرہ، صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو طلب علم کے لیے نکلتا ہے فرشتے اس کے لیے پر بچھاتے ہیں، خدا کی برکت اور سکینت اس پر سایہ فگن ہوتی ہے، نیک بات کی تعلیم دینے والے کے لیے چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں، چڑیاں اپنے آشیانوں میں، اور مچھلیاں پانی میں دعائیں کرتی ہیں، وغیرہ وغیرہ، تو جو مذہب علم و قلم کو یہ اہمیت دے وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اور بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں، اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ، اور اُن کے دینی اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے، اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے، اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے، زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی، جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش

ہو جاتا ہے، وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ مؤثر، ہم اپنے مذہب کے لیے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لیے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے، اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظامِ حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے، اس لیے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہیئے، اور یہ دیکھتے رہنا چاہیئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی، اخلاقی اور روحانی نشو ونما کے لیے مناسب فضا، اور سازگار ماحول میسر ہے، یا نہیں، اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں،

ایک غلط اندازِ فکر

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں، چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مکمل زندگی گزارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص طرزِ زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، چودہ سو سال پہلے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا اُن کی جو عادات تھیں اور اُن کی جو تہذیب تھی، وہی اب تک چلی آرہی ہے، لہٰذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے، تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرزِ فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد و اعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرزِ زندگی بھی اپنایا جائے۔

قرآن وسنت سے مخصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی، اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے، اسلام میں سونے جاگنے، کھانے پینے سے لے کر نکاح وطلاق، اور وراثت تک کے متعین ضوابط واحکام ہیں، اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انہیں کے مطابق زندگی گزاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرام نے انھیں سیکھا اور برتا۔

ایک بار ایک یہودی نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مذاق اڑاتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا "علمکم نبیکم کل شیٔ حتی الخراءة" یعنی تمہارے نبی بھی کیسے نبی ہیں کہ بالکل معمولی اور بچکانہ باتوں کی بھی تعلیم دی ہے، یہاں تک کہ ہگنا موتنا بھی تم کو سکھایا ہے، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی ترقی یافتہ تہذیب وتمدن کے نمائندہ تھے، ایرانی تہذیب کے گہوارہ میں ان کی نشو ونما ہوئی تھی، ان کی رگِ حمیت بھڑک سکتی تھی، وہ یہودی کو ڈانٹ سکتے تھے، کہ کیسی باتیں کرتے ہو، میرا تعلق تو اس تہذیب سے ہے جو لطافت ونزاکت کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہی ہے،" لیکن انھوں نے ایک بڑی تہذیب سے تعلق رکھنے کے باوجود اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا، کوئی شکایت نہیں کی، بلکہ اس کے برخلاف انھوں نے بڑے اعتماد اور فخر کے ساتھ کہا: "ہاں" اور قضائے حاجت سے متعلق اسلامی آداب کی تفصیلات اُسے سنا دیں۔

اسلامی تعلیم اور بنیادی معلومات کی ضرورت اور اہمیت

خیال فرمایئے کہ جو دین ایک مکمل تہذیب ہو، جس کے سیکھنے اور برتنے کے لیے مخصوص قواعد وآداب ہوں، جن میں کھانے

پینے، سونے جاگنے، اُٹھنے بیٹھنے، اور پہننے اوڑھنے، اور قضائے حاجت کے آداب بتلائے گئے ہوں، کھانے میں حلال و حرام کی تفریق، جانوروں اور چڑیوں میں فرق و امتیاز کہ کون حلال ہے اور کون حرام، کپڑوں کے حدود، سونے چاندی کے برتنوں پر پابندی وغیرہ، یہ چند سرسری اور ابتدائی باتیں میں نے بیان کی ہیں، تو جس مذہب کی تعلیمات اور اس کے قواعد و آداب اتنے وسیع اور ہمہ گیر ہوں، وہ دین اسلامی تعلیم اور بنیادی معلومات کے بغیر ایک دن بھی کیسے زندہ رہ سکتا ہے"!

یہ کوئی وسوسہ اندازی نہیں، ہم وہم کے شکار نہیں، بلکہ یہ ہمارے دین کا تقاضا ہے کہ ہم دنیا میں کسی جگہ بھی رہیں، ہمارے وسائل کچھ بھی ہوں، ہماری سیاسی حیثیت جیسی بھی ہو، ہمارا فرض ہے کہ ہم وہ میدان محفوظ کر لیں جس میں دینی زندگی گزارنے، جس میں اپنے مذہب اور تہذیب کے مطابق جاگنے، چلنے پھرنے، اور مذہبی احکام پر عمل کرنے، اور ان کو باقی رکھنے کی آزادی ہو، صرف یہ کافی نہیں کہ فراغت کے ساتھ دو وقت، تین وقت کا کھانا ملتا رہے، امن و چین کی زندگی گزار سکتے ہوں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکتے ہوں، اور اپنے دین و تہذیب کے قیام و بقا کی ضمانت حاصل کر سکتے ہوں۔

ہم نے اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، اور چند روز نہیں، بلکہ خوب سوچ سمجھ کر مستقل رہنے کا فیصلہ کیا ہے، یہ بھی نہیں کہ ہم یہاں نئے ہیں، ہم نے اس ملک میں صدیوں تک رہنمائی کا فریضہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے،

یہاں کے ایک ایک ذرّہ سے ہمارا تعلق اور اس پر ہمارا حق ہے، ہم اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتے کہ ہمارے لیے ایسا پنجرہ تیار کیا جائے، جس کی تیلیاں سونے کی ہوں، سونے چاندی کے برتنوں میں لذیذ کھانا ملتا رہے، لیکن آزادیٔ فکر و عمل نہ ہو، اپنے بچوں کو اپنے مذہب اور عقائد کی تعلیم دینے کی آزادی نہ ہو، ہم ایسی زندگی گزارنے پر ہرگز تیار نہیں، ہم اس ملک میں برابر کے شریک ہیں، ہم ووٹ دیتے ہیں، ٹیکس ادا کرتے ہیں، قانون سازی میں دخیل ہیں، تو ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارا یہ حق ہم سے چھین لیا جائے، ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو اُن کی عمومی تعلیم سے، اُن کی خوراک سے، اور اُن کی دوا سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں،

یہ ایک فطری جذبہ ہے کہ بیٹا باپ کا جانشین اور نمائندہ ہو

ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ مرنے سے پہلے وہ اس کا اطمینان کر لے کہ اس کی اولاد کا عقیدہ کیا ہوگا، وہ خدا کو کس طرح مانیں گے اور کن صفات کے ساتھ مانیں گے، یہی انبیاء کرام کا طریقہ رہا ہے، اور یہی ایک مسلمان کا کردار ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ توحید و رسالت اور آخرت کے عقیدہ کے بغیر جو مرے گا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی، اور وہ جنت کا مستحق نہیں ہوگا، اس لیے ہر محبت کرنے والے باپ کو اپنی اولاد کے متعلق یہ اطمینان کر لینا چاہیئے کہ وہ کہاں تک اس عقیدہ پر مستحکم ہیں، قرآن کے پہلے ہی پارہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو مرتے دم اسی کی وصیت کی:۔
اور اسی طریقہ پر چلنے کی ہدایت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو

کی تھی، اور اسی کی وصیت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی، انھوں نے کہا تھا کہ میرے بچّو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے، لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا، " ووصی بہا ابراھیم بنیہ ویعقوب یا بنی ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون"
(البقرہ آیت ۱۳۲)

اور حضرت یعقوب بستر مرگ پر تھے، خدا سے ملنے میں شاید چند لمحوں کا فاصلہ رہا ہو، اُس وقت ان کو سکون نہیں تھا، انھوں نے اپنی اولاد کو بلا کر یہ تصدیق کر لینی چاہی کہ ان کے بعد اولاد کی زندگی اور ان کا طرز عمل کیا ہوگا، اس کے بغیر شاید ان کی روح کو قرار نصیب نہ ہوتا۔ قرآن میں ہے :۔

ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰہک والٰہ اٰباءک ابراھیم واسماعیل واسحاق الٰہا واحدا ونحن لہ مسلمون۔ (البقرۃ آیۃ ۱۳۳)	کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا تب انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم کس کی عبادت کروگے، انھوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباد اجداد ابراہیم واسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو اکیلا معبود ہے اور ہم اس کے سامنے سر جھکاتے رہیں گے۔

اور جب بیٹوں نے اس کا یقین دلا دیا کہ ان کے بعد وہ انھیں کے طریقے اور دین حق کی پیروی کرتے رہیں گے تو ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا، ان کی رُوح کو سکون حاصل ہو گیا، اور آخرت کا سفر آسان ہو گیا۔

ہر مسلمان کے لیے سب سے بڑی فکر

ایک مسلمان کو مرتے وقت جس بات کی سب سے زیادہ فکر ہوتی ہے، اور جس کی ضمانت اور اطمینان چاہتا ہے، وہ یہی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اس کی صحیح جانشین ہو، اس کے مذہب اور اس کی تہذیب کی امین ہو، اور اس کے افکار وعقائد کا تسلسل باقی رہے، دُنیا کے تمام مفکروں نے اسے ایک اہم حق کے طور پر تسلیم کیا ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے کہ بیٹا باپ کا صحیح جانشین، اور اس کا نمائندہ ہو، عہد افلاطون سے لے کر آج کے مہذب دور تک سب نے باپ کا یہ حق تسلیم کیا ہے، کسی نے یہ حق چھینا نہیں، اور دُنیا کا جو نظام قائم ہے، اور اس کی ہم رنگی چلی آرہی ہے، اولادِ آدم، آدم سے باغی نہیں ہو رہی ہے، اس کی وجہ یہی ہے، اس نظام کو ڈھانا بہت بڑا ظلم ہے۔

جس طرح بیٹا باپ کے مال کا وارث ہے اسی طرح عقائد وافکار کا بھی وارث ہے

کسی کو یہ حق نہیں کہ باپ اور بیٹے کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہو جائے اور دانستہ یا نادانستہ ایسے اقدامات کرے کہ بچہ باپ کا وارث نہ ہونے پائے، یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ بچہ باپ کی جائداد کا وارث تو ہو، لیکن اس کے عقائد جو اسے مال ودولت سے کہیں زیادہ عزیز ہیں، اُن کا وارث نہ ہو، یہ ہر باپ کا فطری حق اور اُس کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اطمینان کر لے کہ اس کے افکار وعقائد کا تسلسل

باقی رہے گا یا نہیں"؟

ہمارا طریقۂ کار اور جدوجہد

جب ہم نے ہندوستان کے حالات کا جائزہ لیا تو ہمارے ذہن پر بہت بڑا بوجھ پڑا، جب سے حکومت نے تعلیم کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، اور یہ تصور کام کرنے لگا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو تعلیم نہ دے بلکہ حکومت اس کو تعلیم دے، اس وقت سے اس فکری تسلسل کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے، جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا، اور اسی نے ہمیں اور ہمارے رفقاء اور احباب کو مجبور کیا کہ مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے لیے جدوجہد کریں، یہ مسئلہ ہماری مذہبی زندگی میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے، ہم نے کسی وہم یا جذباتیت کی بنا پر یہ کام نہیں شروع کیا، نہ اس سے کوئی سیاسی مفاد وابستہ ہے، بلکہ یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے، اور اگر ہم اپنی ذمہ داری پوری نہ کر سکے تو خدا کے سامنے مجرم ہوں گے۔